رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۰۹۳

ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم

الحکم

ایڈیٹر شیخ یعقوب علی تراب احمدی

قیمت سالانہ ... عوام سے صرف پانچ روپیہ

جلد ۲۱ | قادیان دار الامان مورخہ ۷ دسمبر سنہ ۱۹۱۹ء | نمبر ۲۸

سکریٹری صاحبان کی خدمت میں التماس

کچھ دوست خصوصاً ہندوستانی سکریٹری صاحبان اس طرف توجہ نہیں فرماتے اور وقت پر ہمسے مکانات کا مطالبہ کرتے ہیں اسوقت ہمکو بہت پریشانی ہوتی ہے۔ اس لیے مناسب ہے کہ سکریٹری صاحبان بہت جلد آنیوالے احبابوں کی فہرستیں بھیجکر ممنون فرمائیں تاکہ بستر اور مکانات کا بندوبست کیا جاوے (خاکسار محمود احمد منتظم مکانات)

قادیان میں مسٹر محمد ساگر چند بیرسٹر ایٹ لا کی آمد

آج مورخہ ۶ر دسمبر ۱۹۱۹ء کی صبح کو مسٹر محمد ساگر چند صاحب قادیان میں خیر و عافیت سے تشریف لے آئے۔ جماعت کے ایک ہجوم نے انکا پرجوش استقبال کیا جسمیں جماعت کے بڑے بڑے تمام ممبر شامل تھے۔ مسٹر موصوف نہایت اخلاص۔ جوش۔ تپاک۔ محبت۔ خندہ پیشانی سے ملنے والے احمدی کو ملتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے مسجد مبارک میں ملاقات کی اور ایک مختصر اور جامع تقریر فرمائی۔ جسکا مفہوم یہ ہے۔ فرمایا کہ آپنے جو تبدیلی کی ہے اسکے اندر پوری پوری تبدیلی کرنے کا اب وقت آیا ہے جبکہ آپ اپنے ملک میں آئے ہیں۔ میرے نزدیک آپکی وہاں کی تحقیقات پوری نہیں ہو سکتی۔ جبتک آپ اسپر نظر ثانی نہ کریں کیونکہ وہاں کوئی چیز آپکے لیے روک نہ تھی لیکن اس ملک میں تعلقات اور محبت وغیرہ اپنی طرف کھینچینگے کسی چیز کی محبت کا اسوقت تک پتہ نہیں لگ سکتا جبتک وہ اس سے چھینی نہ جائے۔ ایک بچہ روز ضد کرتا ہے کہ مجھے سیر کراؤ۔ لیکن جب اسکو یہ حکم دیا

(الانوار احمدیہ پریس قادیان دار الامان میں باہتمام شیخ یعقوب علی تراب احمدی پرنٹر و پبلشر چھپا)

جو مدرسہ احمدیہ کے فارغ التحصیل اور یونیورسٹی پنجاب کے
مولوی فاضل ہیں۔ اور اب ایک سرکاری مدرسہ میں عربی کے
استاد ہیں۔ مولوی بشیر احمد صاحب نے مجھے بتایا کہ جب میں پیدا ہوا
ہوں۔ اسوقت تک مولوی صاحب نے حضرت اقدس کی
گرچونکہ حضور کو دل سے سچا جانتے تھے اسلیے میرا نام بشیر
حضرت اقدس کے نام پر ہی رکھا۔ مرحوم ڈیڑھ دو ماہ
تک بخار میں مبتلا ہو کر قریباً ستر بہتر سال کی عمر میں قادیان
میں انتقال کر کے بہشتی مقبرہ میں جا سوئے
اس مضمون کو ختم کرنے سے قبل میں یہ لکھ دینا چاہتا ہوں کہ اس مضمون کے
لکھنے میں میری ذاتی معلومات کا بہت کم حصہ ہے چند باتیں ہیں جو مولانا
مرحوم سے خاکسار نے خود سنی ہیں باقی تمام مولوی بشیر احمد صاحب نے مجھے بتائی ہیں
جنکی بنا پر یہ مضمون مرتب کر سکا ہوں +

سفرنامہ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب

سلسلہ کے لیے ملاحظہ فرمائیے اخبار الحکم ۲۸ر نومبر ۱۹۱۶ء

صبح کو خواب کے عالم میں ابھی بیداری کی آنکھ کھل ہی رہی تھی
کہ میرے دل میں پھر اذہر یونیورسٹی کے جانے کا وہی پہلا شوق
گدگدانے لگا۔ اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ ابھی یہ
پچھلی رات ہو۔ اور ہمنے ابھی یونیورسٹی کو دیکھا ہی نہیں۔ لیکن
جوں ہی ہوش آیا تو اذہر کا گذشتہ نظارہ میری آنکھوں
کے آگے جم گیا۔ اور دل سخت بیقرار ہونا شروع ہوا۔ اور
شوق کی بجائے ایسی نفرت ہوگئی کہ اسکا تصور بھی گراں گزرنے
لگا۔ اسکی ساری وجہ یہ تھی کہ میں نے اذہر یونیورسٹی کے نام سے
وہ کچھ خیال کیا جو واقع میں نہ تھا۔ اور صرف میرا ہی پہلا تجربہ
نہ تھا بلکہ سب انسانوں کے ساتھ ویسے ہی گزرتا ہے۔ ہم بارہا
حکیم فیلسوف کا نام سنتے ہیں۔ اور معاً اس نام کے ساتھ
ایک خاص خوبصورت شکل ولباس ہتدام بھی ذہن میں تجویز
کرتے ہیں۔ لیکن دیکھنے میں وہی عربی مثل کو وہ نہ ائے۔ ان
تسمع بالمعیدی خیر من ان تراہ (یعنی معید
(جو کہ دیری اور بہادری میں بہت مشہور تھا۔ لیکن شکل میں
دبلا پتلا انسان تھا) سننا اسکے دیکھنے سے بہتر ہے۔ اس
مشہور حکیم کو نہایت ہی سادہ لباس میں پیٹے اپنے بدن کے ساتھ تھیلے
ایسے ہی لوگ حضرت المسیح کو یا ہی واولاہاوی سے متعجب ہوکر دور دراز
سفر کر کے آتے اور خدا جانے اسکے متعلق ہوائیں کیا قلعے بناتے
اور خیالی پلاؤ پکاتے ہیں۔ لیکن جونہی بٹالہ کی کچی سڑک سے واسطہ یا
چوہڑوں کی ٹھٹھوں کا سامنا یا قادیان کی گلیوں سے گزرنا پڑتا
ہے تو انکا شوق چڑھاؤ بہت کم اور بار دیکھا تا ہے۔ اور ...
عظیم الشان ہی ایمان ہوتا ہوگا جو اس ابتلا کا سختی سے مقابلہ کرتا ہے۔ الیہ ابھی
ہم واقعات سنتے ہیں اور ان میں قوت متخیلہ سے کچھ نہ کچھ کمی بیشی ضرور کر دیتے
ہیں۔ اور جب کسی دوسرے کے پاس ان کا ذکر کرنے کا موقع ملے تو ان
واقعات کو خیالی زیادتیوں یا کانٹ چھانٹ کے ساتھ ایسا بیان کرتے
ہیں کہ خود ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اصل واقعہ شدہ حادثہ بھی یہی تھا۔ اور وہم بھی
بھی نہیں آتا کہ ہم نے اسمیں تبدیلی کوئی ہو۔ اسی واسطے روایات کو نقل کرتے وقت
بہت کچھ تغیر واقع ہو جاتے ہیں اور ہر ایک راوی حکایت کرنے کے وقت یقین کرتا ہے
کہ اس نے کسی قسم کی زیادتی نہیں کی۔ بلکہ بعض وقت کسی واقع دیکھنے والا اس سے
ایسا متاثر ہوتا ہے کہ وہ اسکو اسکے بیان کرنے کے وقت اپنے شعوری تاثر
سے پورے طور پر تعبیر کرنے کے لیے جب اسے الفاظ نہیں ملتے تو وہ سامعین پر
اسی قسم کی تاثیر پیدا کرنے کے لیے مبالغہ آمیزی کرتا۔
مثلاً جن لوگوں نے شق القمر کا معجزہ دیکھا
وہ ابھی سے حضور درود نہایت متاثر ہوئے ہونگے

اور جب انھوں نے کسی دوسرے کے پاس اس کا ذکر کیا تو ویسے ہی تاثیر پیدا کرنے کے لیے ضرور ہی کچھ ایسے الفاظ زیادہ کر دیے ہوں جو کہ اصل حادثہ کے بیان کرنیکے لیے کافی سے زیادہ تھے۔ ایسا ہی جب دوسرے نے اس روایت کو پیش کیا تو قوت خیال نے اس زیادتی میں کچھ اور ہی بڑھا دیا۔ ہوتے ہوتے آخر یہ ہوگیا کہ چاند کا ایک ٹکڑا۔ احد ایک طرف تھا۔ اور دوسرا دوسری طرف تھا۔ عوام الناس کی حکایتوں میں اکثر ایسی مبالغہ آمیزیاں ہوتی رہتی ہیں کیونکہ جبتک انکے تصورات خیالی مجسم صورت اختیار نہیں کر لیتے تب تک انکی سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی۔ مورخوں اور مصنفوں نے بڑی غلطی کی ہے۔ کہ روایات کو کماحقہٗ قبول کرکے تصدیق یا تکذیب شروع کر دی اور مرکزی نقطے کو بالکل نظرانداز کر دیا ہے۔ غالباً ازہر یونیورسٹی کی شہرت جو ہندوستان میں تھی وہ اسی قسم کی مبالغہ آمیز روایات کی بنا پر تھی۔ یا یہ بھی ہوتا ہے کہ بعد مکان یا زمان کی وجہ سے انسان کے ذہن میں ایک شے بالکل نرالی صورت میں مجسم ہوتی ہے۔ یا یہ بھی ہے کہ جو تصور ہندوستانی یونیورسٹی کا ہمارے ذہنوں میں تھا اسی معیار اور مقیاس پر جب ہم نے ازہر یونیورسٹی کا نام سنا تو اس کو پرکھا۔ اور ہم نے خیال کر لیا کہ ازہر بھی ہماری یونیورسٹیوں کی طرح ایک تعلیم گاہ ہوگی۔ اور یہ پتہ نہ تھا کہ وہ ایک مسجد تھی جس میں تعلیمی اختلال اور بدنظمی کا پورے طور پر تماشا ہو رہا تھا۔ اگر ہمیں اس کی اصلیت سے آگاہ کیا جاتا تو اسقدر دکھ اور نفرت ہمیں کبھی نہ ہوتی۔ لیکن شکر ہے کہ وہی نفرت میرے لیے اس سے بھاگنے کا باعث ہوئی۔ ورنہ یا تو میں ہندوستان سے جاتا ہی نہ۔ یا اگر جاتا تو وہیں کچھ مدت تک سر دھننا پڑتا۔ اور مجھے یقین ہے

کہ جو لوگ جنت کا نام سنکر اسکی ایک خیالی تصویر جماتے ہیں انکو بھی ویسی ہی حیرت محسوس ہوگی جیسا کہ مجھے ہوا۔

اسمیں شک نہیں کہ جنت و جہنم۔ ثواب و عقاب حشر و نشر یہ سب حقیقتیں ہیں۔ جنکو سمجھانے کے لیے دنیاوی آرام گاہوں سے مشابہت دی گئی ہے۔ اور اس قسم کی تشبیہوں کے سوا اور کوئی طریقہ تھا ہی نہیں جس سے اس کی حقیقت کو واضح کیا جاتا کیونکہ جیسا کہ خاتم الانبیاء نے فرمایا ہے ولا عین رأت ولا اذن سمعت کہ اس انسانی منزل مقصود کی حقیقت جس کا نام جنت ہے نہ کسی کان نے سنی نہ آنکھ نے دیکھی نہ کسی قلب میں اسکا خیال گزرا۔ ایسا ہی قرآن مجید میں بھی کئی بار کھول کر بتایا ہے کہ جو اس کے متعلق بیان ہوا ہے وہ صرف مثال کے طور پر ہے۔ لیکن نادانوں نے اسکو ہوبہو دنیا کی اشیاء کی طرح یقین کیا۔ یہ ایک فطرتی کمزوری ہے جو تقریباً ہر ایک انسان سے صادر ہوتی ہے۔ اور وہ اسمیں ایک حد تک مجبور بھی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے تصورات اور احساسات کے ماوراء چیزوں کو بالکل خیال میں نہیں لا سکتا۔ جیسا کہ میں اپنی دیکھی ہوئی یونیورسٹی کے تصورات کے ماسوا ازہر یونیورسٹی کو نہ سمجھ سکا کیونکہ لفظ یونیورسٹی کا مفہوم ہمارے ذہنوں میں سوائے عمدہ خوبصورت تصور کے اور کچھ نہیں تھا۔ ایسا ہی لفظ جنت یا باغ کا مفہوم ہمارے ذہنوں میں ہمارے روزمرہ کے دیکھے ہوئے باغوں کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا یعنی یہ ناممکن ہے کہ ہم باغ یا بہشت یا جنت یا فردوس کے الفاظ کو استعمال کریں اور ان کا مفہوم بالکل نیا سمجھیں کہ جس کا اس دنیا میں نام و نشان نہیں اگرچہ جس سے ایک انسان اگر اپنے ملک کے حالات کا ذکر کرے اور اسمیں ایک عجیب و غریب مکان بھی ہو اور وہ ایک گاؤں میں آ کر

بعض گنواروں کو خبر ملتا ہے اور وہ اُسکے متعلق حیرت زدہ ہو کر پوچھتے ہیں کہ وہ عجیب وغریب مکان کیسا ہے تو اگر انکو کہیں کہ چینی کی اسکی دیواریں ہیں۔ زمرد و لعل کی اسکی چھت ہے قواریر سے اسکا فرش ہے۔ الیکٹرک لائٹیں اور فینز اس میں کام کر رہے ہیں علیٰ ہذا القیاس تو اس عجیب وغریب مکان کو انکی بلا سمجھے گی۔ انکے ذہنوں میں کیا کچھ بھی نہیں آسکتا کہ قواریر و مرواریدکیا ہیں۔ زیادہ سے زیادہ جوان کو سمجھ آسکتا ہے۔ انکے اپنے جھونپڑوں سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ لیکن اگر کوئی پوچھے کہ کیا اس چینی کے بیان سے اس مکان کی ہوبہو تصویر جسم بھی گئی ہے تو اسکا یہی جواب ہے کہ ہرگز نہیں۔ وہ عجیب وغریب مکان کی حقیقت کو اگر کچھ سمجھ سکتے ہیں تو وہ اسی مکان کی صورت و ہیئت میں سمجھ سکتے ہیں جو انکا مشہود و منظور ہے۔ والا ممکن ہی نہیں اگر اُن کے ذہن میں اس عجیب مکان کا محسوس مجسم نقشہ جما منظور ہے۔ تو سوائے اسکے چارہ نہیں کہ انکے دیکھے ہوئے مکانوں میں کچھ ممکن تغیر کرکے بتلا دیا جائے کہ وہ ایسا ہے۔ جنت کے مبالغہ کنندگان معتقدوں کو کچھ شرمندگی یا حیرت ہی ہوگی۔ کیونکہ حقیقت جنت انکے تخیلات سے بہت بلند تر ہے۔ لیکن ہمیں جو مایوسی اور دکھ ہوا تو اسلیے کہ ہماری ذہنی یونیورسٹی کے تصورات سے بہت ہی کم تھی! بلکہ کچھ بھی نہ تھی!! بلکہ بالکل برعکس تھی!!!

خیر اسی قسم کے خیالات تھے جو دوسری صبح میرے ذہن میں سر کے ساتھ چکر کھا رہے تھے۔ جب دن خوب چڑھا تو ہمیں اپنی جیبوں کی پونجی کو دیکھکر یہ فکر پڑی کہ اگر ہوٹل میں تین چار دن اور رہے تو وہ بہت جلد ختم ہو جاویگی۔ کیونکہ کرایہ ہوٹل بہت ہی گراں تھا (اسوقت چونکہ ہندوستان سے نئے نئے گئے ہوئے تھے اسلیے وہ نسبت بہت بڑی معلوم ہوتی تھی لیکن فی الحقیقت ایسا نہ تھا) اسلیے ہمنے بعض ہندوستانیوں کے ذریعہ ادھر ادھر ایک مکان کرایہ کا دیکھنا ... سے ... کی تلاش جانے ... ... خوبصورت ...

(لڑکے لڑکیاں) اس مکان کے نچلے حصے کو اپنے ہاتھ سے خود پانی سے دھو دھو کر صاف کر رہے ہیں۔ اور عمدہ لباس میں ایک نوجوان اور خوبصورت عورت بھی انکو مدد دے رہی ہے دریافت کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ وہ اس بڑے مکان کے مالک تھے جو کہ بالاخانوں میں سکونت پذیر تھے۔ مجھے تعجب ہوا یہ کیوں اپنے ہاتھوں سے خوشی خوشی صفائی کر رہے ہیں۔ اور سوائے اسکے کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ کہ غالباً ہمکو اجنبی دیکھکر شوق سے وہ سب کچھ مہمان نوازی کے طور پر تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ وہ ایک عیسائی ڈاکٹر کا کنبہ تھا۔ جنھوں نے نہایت ہی شفقت اور عزت سے استقبال کیا۔ ایک چھوٹی سی لڑکی نے بھاگتی ہوئی اوپر گئی اور شوق کے ساتھ چابی لاکر ہمارے ہاتھ میں دی اور اشارہ سے کہا کہ یہ اس مکان کی چابی ہے۔ ہم دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوئے۔ تو نہایت عمدہ کمرہ پایا۔ سیمنٹ کا فرش پتھر کی دیواریں لوہے کے شہتیر پتھر کی چھت تھی۔ اور پتھر کی دیواریں پلاسٹر اور چونا شدہ تھیں۔ دیکھنے میں تو کمرے بہت مناسب معلوم ہوئے۔ سونے کے کمرے میں ایک دو ہوادار کھڑکیاں بھی تھیں۔ (باقی آئندہ)

خلافتِ صدیقؓ

(پر)

ایڈیٹر الحکم کا ایک لطیف مضمون

(سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو الحکم ۲۸ نومبر ۱۹۱۹ء)

(۱۲)
میں پھر ایک بار غار ثور کی طرف آپ کو لیجانا چاہتا ہوں ان اللہ معنا کی وحی دراصل ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے اور یہ خلافت صدیق پر ایک نص صریح ہے جسکا انکار دہریہ اور مادہ پرست بھی نہیں کر سکتا دیکھو! وحی الٰہی خبر دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اثبات استحقاق الوہیت اور ابطال عبادت غیر اللہ کی خاطر ان دونوں یکساں خطرہ میں پڑے ہوئے رفیقوں کا سلامت رہنا۔ اور یکے بعد دیگرے بفضل مقتدر شاہنشاہ اور مالک رقاب امم بننا ضروری ہے۔ اور اس پیشگوئی کے مطابق عملاً یہی ہوا۔ چنانچہ پہلا کفر کا جوش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے اور دوسرا اگرچہ ویسا ہی فتنہ ارتداد کا انسداد اور مدعیان نبوت کاذبہ کا استیصال۔ صدیق اکبر کے ہاتھ سے ہوا۔ اور پھر دوسرے تیسرے جو تھے اور تمام مومنین عالم کے لیے قیامت تک راہ صاف کر دیں۔

پس یہی کہنا بالکل درست ہے کہ اے غار اے خوفناک بھیانک غار تو ایک وقت تو سانپوں۔ بچھوؤں اور درندوں کی ... لیکن تھی تو تنگ و تار اور خوفناک نہ کہلائی گی تو اب مبارک جگہ اور نورانی نشان ہو گئی۔ نہ اسلیے کہ تجھ میں دو پاک نورانی وجود مسکن گزیں تھے۔ بلکہ تو اپنی خود ذات میں ایک درخشاں آیت اور نور مبین ہے۔ تیرا یہ نور قیامت تک لازوال رہے گا۔ اسلیے تو ایک مبارک غار۔ ایک بڑی گھٹا ٹوپ تاریکی ظلم عظیم اور ایک عالم کو برہم کرنیوالی نزاع کو پاش پاش کرنے والی ہے۔ تو جیسے اس رحمۃ للعالمین۔ صادق صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک نشان ہے بلاشبہ بالکل ویسا ہی اسکے حلقہ بگوش صدیق کی تصدیق اور اہلیت کا بھی نشان ہے۔ آج صدیقی خلافت کے حق ہونے پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ مگر جاؤ اس مبارک غار سے پوچھو وہ تمھیں کیا جواب دیتی ہے ان اللہ معنا کی وحی اس میں اترتی ہے۔ اگر وہ صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے۔ اور وہ پیشگوئی ہے۔ اس کا ظہور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود میں جلوہ گر ہوا پھر ناممکن ہے کہ وہ وحی حق ہو وہ پیشگوئی عظیم الشان ہو۔ اور صدیق ہی اس کا مورد نہ ہو۔ لیکن کہا جاوے کہ نہیں اسپر پوری نہیں بتاؤ اسکی زد کس پر پڑتی ہے۔ یہ حملہ ہوگا قرآن مجید پر۔ یہ حملہ ہوگا رسول کریم پر۔ یہ حملہ ہوگا اللہ تعالیٰ پر۔ مگر نہیں یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور بڑے شان اور چمک کے ساتھ پوری ہوئی۔

اور یہ صدیقی زندگی کے واقعات گواہ ہیں۔ دیکھو میں

ایک نکتہ معرفت

کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کفار کے اس منصوبے کو پاش پاش کرنے کے لیے تھی جو آپکے قتل کا کیا گیا تھا۔ اور غار ثور میں جب کفار اس غار پر پہنچ گئے تب یہ وحی نازل ہوتی ہے گویا اللہ تعالیٰ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ صرف قتل سے محفوظ رہنے کی پیشگوئی فرماتا ہے۔ بلکہ حضرت صدیق رضی کی بھی اور واقعات کو دیکھو کہ دونوں اس سے محفوظ رہتے ہیں

بحالیکہ دونوں کے لئے فتنہ عظیم تھا۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت جو فتنہ تھا۔ وہ ظاہر ہے اور صدیق اکبر کے وقت جو شورش تھی وہ بھی خطرناک تھی ان دونوں فتنوں کے وقت آپ کا یا صدیق کا شہید ہو جانا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ مگر چونکہ خدا تعالیٰ نے حفاظت کا وعدہ کر لیا تھا۔ اسلیے ان دونوں پاک وجودوں .... کو محفوظ رکھکر بتا دیا کہ انسانی کوشش کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ محض خدا کی تائید اور نصرت تھی۔

اس عظیم الشان نشان کی عظمت اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ جبکہ اسلام کی عظیم الشان شوکت و جلال اور اقتدار و حکومت کے زمانہ میں فاروق اعظم جیسا جلیل الشان اور شجاع الانسان شہید کر دیا جاتا ہے اور پھر حضرت عثمان ذوالنورین جیسا بزرگ شہید ہو جاتا ہے اور پھر اسد اللہ الغالب سیدنا مرتضےٰ جیسا جلیل الشان خیبر شکن شہید کر دیا جاتا ہے۔ غور کرو۔ اور بار بار غور کرو کہ اس صدیقی کمال کی کیا شان ثابت ہوتی ہے حضرت صدیق کا اپنے محبوب و مولیٰ آقا کی طرح محفوظ اور مامون رہنا یہ نہ صرف دلیل ہے اس امر کی کہ آپ اس پیشگوئی کے مصداق تھے۔ نہ صرف دلیل ہے آپکے علو شان کی۔ نہ صرف اظہار آپکے اس تعلق کا جو سید کونین کے ساتھ آپ کو تھا کہ من تو شدم تو من شدی کے مصداق ہو گئے تھے بلکہ دلیل ہے خدا کی ہستی کی۔ قرآن کریم کی حقانیت کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی۔

(۲۴) اب ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خدا کی راہ میں تائید دینے کے لیے نکلنے کی تحریک کے لیے جو بڑا محرک اور نمونہ ..... تجویز کیا وہ صاحب الغار نمونہ ہے۔

پھر ایک اَمر قابل غور ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اسپر خاص طور سے توجہ کریں۔ سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ شریفہ یعنی سورۃ براءت (جس کی یہ آیت) کی تبلیغ کے لیے سیدنا علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا۔ یہ مسلّم امر ہے کہ اس سے پہلے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسب ارشاد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف امیر قافلہ حجاج ہو کر گئے تھے اور آپ قریش میں [illegible] معزز اور موقر بھی تھے مگر سیدنا مرتضےٰ کا بھیجنا اس سورۃ کی تبلیغ کے کام پر مامور فرمانا ایک خاص سر اپنے اندر رکھتا ہے۔

اس سورۃ میں ان انعامات اور مدارج کا ذکر ہے۔ جو مہاجرین اور سابقین کو ملنے والے تھے۔ اس میں وہ عظیم الشان پیشگوئی جو ان اللہ معنا ...... میں کی گئی ہے موجود تھی۔ اس میں صاحب الغار کے عمل کو قیامت تک کے مومنین کے لیے خدمت دین کے واسطے اسوہ ٹھہرایا تھا۔ سو خدا تعالیٰ نے چاہا کہ یہ تبلیغ حضرت مرتضیٰ کے ذریعہ پہنچائی جائے۔ تاکہ کسی وقت یہ اسوہ بہ حجت ہو۔ ان لوگوں پر جو صدیقی شان کے سمجھنے میں کسی وجہ سے غلطی کرتے ہوں۔

دیکھو۔! یہ امور انسانی تدابیر سے حاصل نہیں ہو سکتے کہ ایک شخص سابقین۔ مہاجرین۔ مقربین کا آپ سردار بن جاوے رحمۃ العالمین کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا بلافصل خلیفہ خلافت منشاء الٰہی بن جاوے قرآن مجید میں صاحب الغار کہلائے۔ اور ان اللہ معنا کی پیشگوئی میں شریک ہو جاوے کیا یہ منصب کی منصوبہ بازی اور خالی کمیٹیوں کا نتیجہ ہوا کرتا ہے کہ لاشریک بالارادہ اور متصرف الکل عزیز حکیم الغالب۔ خدا کے علم و قدرت پر سبقت کرکے وہ شے حاصل کرلے جو اسکا حق نہیں ؟۔

کوئی رشید ہے جو ان سب باتوں پر خدا ترس دل لیکر غور کرے۔

(۲۵) اگرچہ یہ آیات جو میں نے پیش کی ہیں اور صدیقی شان کو جس رنگ میں خدا کے کلام سے پیش کیا گیا ہے وہ سب بجائے خود صدیقی خلافت کے دلائل ہیں۔ مگر میں کسی قدر اور وضاحت کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے مومنین مہاجرین کے لیے ایک وعدہ فرمایا۔ یہ وعدہ بھی سورت توبہ میں ہے جسکی تبلیغ کے لیے حضرت سیدنا المرتضیٰ مامور کیے گئے تھے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝

اس میں ایمان کے بعد تین ضروری اعمال کا ذکر کیا ہے۔ اول ہجرت دوم جہاد بالاموال۔ سوم جہاد بالنفس۔ ان اعمال کے جزو کے لیے بتایا کہ اللہ

نزدیک درجات عظیم الشان ہیں - اپنے مقاصد میں وہ کامیاب ہونگے - خدا تعالیٰ کی رحمت کے مظہر نہ ہونگے - اور انھیں رضوان و جنت میں لیجاویں گے جن میں ابدی آسائش ہوگی - پھر مکرر فرمایا کہ عند اللہ اجر عظیم ہے -

اب غور کرو کہ خدا تعالیٰ کے یہ وعدے اگر اس مادی اور حسی عالم میں کوئی ثبوت نہ رکھتے تو محض قیامت پر حوالہ دینے سے انکی صداقت ثابت نہیں ہو سکتی اسلیے قرآن کریم کا یہ یگانہ طرز استدلال ہے کہ تمام وعدے جو مومنین کے لیے کیے گئے ہیں وہ مادی اور حسی رنگ میں اس دنیا میں پورے کرکے دکھا دیئے تاکہ قیامت اور جزا سزا کے مسئلہ کا ان کو کامل یقین ہو جائے - چنانچہ جنت وغیرہ کے جس قدر وعدے ہیں وہ اس عالم میں بھی اللہ تعالیٰ نے پورے کرکے دکھا دیئے اب ان مواعید کے پورا ہونے کے اول مظاہر کون تھے یہ واقعات سے دیکھو فتوحات کا لمبا سلسلہ کس کے عہد سعادت میں ہوا - صدیقی اور فاروقی خلافت نے اسلام کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا - قیصر و کسریٰ کے متعلق جو پیشگوئیاں تھیں وہ کس کے عہد میں پوری ہوئیں - دنیا کی تاریخ مٹ جاوے - تو بھی یہ واقعات مٹ نہیں سکتے - وہ لوگ جو کسی غلطی کی وجہ سے آج صدیقی یا فاروقی خلافت کو سمجھنے میں مشکلات پیش کرتے ہیں انکے گھروں میں زبردست ثبوت موجود ہے - حضرت عصمت مآب جو کسروی محلوں کی ناز پروردہ شہزادی تھیں جو آج مساوات کی قابل فخر ماں ہیں - اور جناب شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیارے بیٹے حضرت سید الشہدا سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حرم سرا میں عزت سے داخل ہوئیں وہ فاروقی عہد خلافت کا ایک زبردست نشان ہے پس واقعات خود بول رہے ہیں -

دیکھو ! موسیٰ علیہ السلام کو - انکی مانند جو نبی پیدا ہونے کی بشارت دیگئی تھی اس کی تصدیق قرآن مجید نے کی اور اسیکے موافق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ کیا - چونکہ مثیل موسیٰ موسیٰ علیہ السلام کے ہر پہلو میں افضل واکمل تھے اسلیے قرآن کریم کے متعدد مقامات میں موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کو بیان کرکے ضمناً پیش گوئی کی تھی کہ حضرت نبی کریم کے اتباع کو عزت ملیگی کہ وہ "جنات" "عیون" اور مقام کریم کے وارث ہوں اور نہ صرف مکہ معظمہ کو فتح کریں - بلکہ اس فرعون کے مصر پر بھی حاکم و متصرف ہوں جس پر وہ ناز کرتا تھا - پھر یہ فتوحات آیا خلافت راشدہ کے عہد کی یادگار ہیں یا کسی اور وقت کی ؟

(۲۱) میں پھر اس آیت کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ حضرت صدیق اکبر ہجرت میں سب سے اول تھے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور جہاد بالاموال میں انھوں نے جو نمونہ دکھایا اس کی نظیر نہیں مل سکتی - یہ مسلم امر ہے کہ حضرت صدیق اکبر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں ہزاروں روپیہ ان ضعیف غلاموں کی آزادی کے لیے خرچ کر دیئے جو بوجہ مسلمان ہو جانے کے غلام بنائے جاتے تھے - پھر اپنی جان کو جسطرح پر قربان کیا وہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں - کونسی بات باقی رہ گئی تھی - پس جب وہ اس امتحان میں فائز المرام ہو گئے - یعنی اپنی تمام مرغوب اور محبوب چیزوں کو چھوڑ کر محض اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اطاعت کے نیچے جمع ہو گئے تو انھیں اعظم درجۃ عند اللہ کا خطاب اور سرٹیفکٹ ملا - ایک اپنے مرتبہ صدق وصفا کے لیے صدیق اکبر کہلایا - تو دوسرا اپنے امتیازی نشانات کے لحاظ سے فاروق اعظم - پھر اس کامیابی کی بشارت رضوان اور جنت کے رنگ میں دی یعنی اس تمام محنت شاقہ کے عوض میں آقائے محسن و قدردان کی طرف سے انکو رحمت و خوشنودی مزاج اور دائمی آرام کی بشارت ہے - پھر یہ بشارت کے رنگ میں رنگین ہے - کیا مطلب ؟ کہ خوشنودی خداوندی کے مستحق ہونے کی توفیق ان سے کبھی بھی چھینی نہیں جائے گی -

اس سے بڑھکر واضح اور صاف آیت کیا چاہیئے - جو خلافت راشدہ پر غیر متزلزل دلیل ہو - پھر دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کہکر نہ صرف اپنی رضا کا سارٹیفکٹ دیا بلکہ ان کے اس مقام عظیم کا پتہ دیا جو ہر شخص کو آسانی سے میسر نہیں آسکتا - یعنی خدا سے راضی ہونا - یہ رضا بالقرآن کا مقام نہایت اعلیٰ مقام ہے اور ہر شخص کو یہ نہیں مل سکتا -

بعثت کے انعامات کبریٰ ہیں۔ رضوان من اللہ اکبر رکھا گیا۔ پس جس وجود اور جس قوم کو اسی دنیا میں یہ خطاب اور سرٹیفکٹ مل جاوے اس سے بڑھکر ممتاز اور خوش قسمت کون ہو سکتا ہے؟

(۲۷) کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ عام ہے مگر میں اس سے پہلے وہ آیت پیش کر چکا ہوں جس میں اللہ تعالیٰ نے ثانی اثنین اذ ہما فی الغار کیطرف اشارہ کر کے مخصوص کر دیا۔ اس عظیم الشان الفاظ کو اور یہ نص صریح ہے۔ جاؤ۔ دنیا میں اسکا مصداق حضرت ابوبکر صدیق کے سوا کون ہے؟ اور وہ کون ہے؟ جس کو اسوہ قرار دیا گیا اور جس جان باز ناصر کی نصرۃ کو اپنی نصرۃ سے تعبیر کیا ہے پس یہ واقعات صدیقی۔ فاروقی۔ عثمانی خلافت کی تصدیق اور تائید کے لیے بینظیر ہیں۔

اس قدر تھوڑے وقت میں تفصیلاً کلام نہیں ہو سکتا ورنہ اس معیار پر حضرت صدیق۔ حضرت فاروق اور حضرت عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کارناموں پر اتنا کچھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ مہینوں اور سالوں میں ختم نہیں ہو سکتا +

(باقی آئندہ)

تاریخ مالابار کا ایک ورق

میں نے احباب کی خاطر سے اور الحکم کے کالموں کو مفید بنانے کی غرض سے یہ ارادہ کیا ہے کہ میں مالابار کی تاریخ کو کتابی رنگ میں لانے سے قبل الحکم میں وقتاً فوقتاً درج کروں بجائے اسکے کہ احباب کو ایک لمبے عرصہ تک انتظار میں رکھا جاوے اس طرح کچھ کچھ شائع کر دوں۔ دعا و توفیق الا باللہ بعد میں کتابی صورت میں بھی شائع کر دی جاوے گی۔ انشاءاللہ

محمود احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سب اس خدا کا فضل اور رحم ہے کہ جسکے کرم و احسان سے میرا جیسا انسان بھی اس قابل ہو گیا ہے کہ احباب کے سامنے کوئی ہدیہ پیش کر سکے۔ میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں پاتا کہ میں آپ کو یہ ثابت کر دکھاؤں کہ میں تاریخ لکھنے میں ماہر ہوں۔ ہاں صرف خدا ہی کے فضل نے مجھے موقع دیا کہ میں ان واقعات کو جمع کر سکوں جو مجھے سفر مالابار سے معلوم ہوئے۔ مالابار ہندوستان کے ملکوں میں سے ایک ملک ہے جو کہ سمندر کے کنارے پر آباد ہے۔ اس ملک میں داخل ہونے کے لیے بری اور بحری دونوں قسم کے راستے موجود ہیں۔ بری راستہ مدراس سے ہوتا ہوا علاقہ مالابار میں جا پہنچتا ہے۔ اور بحری راستہ بمبئی سے شروع ہو کر منگلور کی بندرگاہ پر جہاز ٹھہر جاتا ہے۔ سمندر کا کنارہ تو آگے تک چلا جاتا ہے۔ کنانور۔ کالی کٹ وغیرہ شہر سمندر کے کنارے پر ہی آباد ہیں مگر کنانور میں جہازوں کی اسوقت آمد و رفت کم ہے۔ منگلور پر عام طور پر جہاز آتے ہیں۔ یہ ملک مدراس پریسیڈنسی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس ملک کا سب سے بڑا حاکم بھی گورنر مدراس ہی ہے۔ مالابار کا ہائی کورٹ یونیورسٹی وغیرہ بھی مدراس ہی میں ہیں۔ یہ حصہ ہندوستان کا جنوبی حصہ ہے اس ملک میں بارشیں بہت کثرت سے ہوتی ہیں۔ اور کئی مہینہ تک ہوتی رہتی ہیں۔ اس ملک کی زبان مالاباری ہے۔ اس ملک کی آبادی چند لاکھ نفوس سے زیادہ نہیں۔ آب و ہوا اچھی۔ موسم مرطوب ہے۔

غلے کئی قسم کا چاول پیدا ہوتا ہے۔ اور کالی مرچ کافی۔ ناریل عام۔ اور کثرت سے ہوتا ہے۔ اسکے علاوہ ہر قسم کے پھل کیلا کاجو۔ آم۔ کٹھل۔ انناس۔ خربوزہ وغیرہ بھی کثرت سے پیدا ہوتا۔ پونا۔ تربوز وغیرہ میوے۔ اور ترکاریوں میں ترموز بالکل خربوزے کی مانند ایک ترکاری ہے جو ہمارے ملک میں نہیں ہوتی۔

قومیں اس ملک میں کئی قسم کی قومیں آباد ہیں جنکی بڑی تقسیم اسطرح ہو سکتی ہے ہندو۔ مسلمان۔ عیسائی اور یہودی۔ ہندو اس ملک میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ انکی تہذیب اور تمدن بالکل جداگانہ ہے۔ مرد سر کے اردگرد سے بال منڈواتے ہیں

اور درمیان میں ایک کیس بکھر کر سر پر جوڑا کر لیتے ہیں۔ گلے کو
عام طور پر ننگے رہتے ہیں۔ تہذیب اور تمدن ان میں بہت
کم ہے۔ ایکی عورتیں بھی اکثر ننگی پائی جاتی ہیں۔ اور یہ اس امر کی پرواہ
نہیں کرتیں۔ بڑی بڑی جوان عورتیں بھی بالکل بغیر کرتہ پہننے اور دوسری
کپڑا اوڑھنے کے لاپرواہ پائی گئیں ہیں۔ ہندوؤں میں نائر
اور تیں بڑی قومیں ہیں مذہب ان کا بت پرستی ہے۔ انکی چھوٹی
قومیں مسلمانوں سے لیکر کھالیتی ہیں۔ پان پاتی چائے۔ پھل وغیرہ کی
کوئی ممانعت نہیں مچھلی گوی۔ مچھلی کثرت سے کھاتے ہیں اور بہت کم
ہیں جو نہیں کھاتے۔

مسلمان مسلمان لوگ زمینداری کرتے ہیں اور اچھے
حال میں ہیں اکثر کا مذہب شافعی ہے گو حنفی اور رفاعی بھی پائے جاتے
ہیں۔ جہالت بہت ہے تعلیم کم ہے۔ عورتوں میں پردے کا رواج
ہے مگر چھتریاں لگا کر چلتی ہیں۔ آنیوالے مردوں کی طرف چھتری
کر دیتی ہیں۔ عیسائیوں نے بھی ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں
اور مختلف طریق سے وہ لوگوں کو عیسائی بنا رہے ہیں۔ علاقہ
کوچین میں یہودیوں کی بھی ایک خاص تعداد سکونت پذیر ہے۔
ان کے علاوہ جنگلوں میں اس قسم کے اقوام بھی آباد ہیں جو بالکل
وحشی اور جنگلی ہیں جنکا کوئی مذہب نہیں۔ اور وہ شہروں میں
آتے ہی نہیں۔

ریاستیں مالابار میں دو تین ریاستیں بھی ہیں سب سے مشہور ریاست
کوچین کی کہلاتی ہے۔ اس سے اوتر کو ارکل راجہ ہے۔ ارکل راجہ
کا ہیڈ کوارٹر کنانور شہر ہے۔ کنانور کی آبادی ۳۰ یا ۴۰ ہزار نفوس
سے زیادہ نہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ابتدا میں احمدیت پہونچی۔
اور خدا تعالیٰ نے یہاں کے متکبر اور شریر لوگوں کو ایک چھوٹی
سی جماعت کی مخالفت کی وجہ سے اپنے زبردست ہاتھ دکھائے
انھوں نے یہ سمجھا تھا کہ چند انسان ہیں جو غریب اور کمزور ہیں۔
اور ہم بڑے تعداد اور کثیر ہیں۔ ہم انکو تباہ کر کے رکھدینگے۔ مگر خدا نے
جلالی نشان کے ساتھ بتایا کہ وہ جو تمہارے لیے غریب اور کمزور ہیں، وہ اصل
وہی غنی اور قوی ہے اور جو ہم سے جدا ہو کر بڑا اور زبردست بنا اسکی
حقیقت ایک پشہ کی برابر بھی نہیں۔ یہ ملک کسی زمانے میں ڈچ لوگوں کے
قبضے میں تھا جسکی یادگار ابھی تک سنگ سیاہ سے بنا ہوا مضبوط
قلعہ کنانور کے سمندر کی لہروں کا مقابلہ کر رہا ہے یہ چھوٹا سا قلعہ جسکے تین
طرف سمندر اور ایک طرف خشکی ہے ابھی تک اپنے بنانے والوں کی یاد کو تازہ
کر رہا ہے۔ اور ماضی گذشتہ کی داستان زبان حال سے پکار پکار کر سنا رہا ہے۔
کہ یہ مقام اس قسم کا مقام ہے کہ اگر آج ایک ہے تو کل نہیں۔ پھر ایک زمانہ گزرا کہ ڈچ
لوگ اسکو خود بخود چھوڑ کر چلے گئے اور یہ ملک ایک خیر خواہ راجہ کو دیدیا۔ اور
اس سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے میں سلطنت انگریزی میں داخل ہوا۔ اور
اب بحال اس مبارک سلطنت کے پاس ہے۔

احمدیت اس شہر میں چند نوجوان تھے۔ جنکے آپس میں دوستانہ تعلقات تھے
اکثر اکٹھے بیٹھتے اور اٹھتے جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ آسی عبدالقادر
کٹی۔ کے محمد کنجی۔ کے ایم ابراہیم کنجی۔ کلتق عبدالقادر کویا۔ عبدالقادر کچالی
اس زمانہ میں جبکہ یہ دوست اکٹھے رہتے تھے۔ محل دیپک راجہ نے اپنے
عزیز محمد دیدی صاحب کو کسی وجہ سے ناراض ہو کر اپنی ریاست سے خارج کر دیا۔
وہ وہاں سے نکل کر کنانور میں آباد ہوا۔ طبعاً ہر ایک شخص جو کہ کسی دوسرے
شہر میں جہاں اسکے جان پہچان لوگ نہ ہوں کسی ملنے والے اور محبت
کرنیوالے کی خواہش کرتا ہے۔ اور اسے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ وہ کسی مجلس یا کسی واحد
شخص کو اپنی دوستی کے لیے انتخاب کرے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے خاص فضلوں کے
ماتحت محمد دیدی سے جس شخص کی ملاقات کروائی وہ ای عبدالقادر رتھا۔
محمد دیدی نے عبدالقادر سے ملکر بہت خوش اور مسرور ہوا۔ اسکی نگاہ نے
اے عبدالقادر کو اپنی مجلس کے لیے منتخب کیا۔ عبدالقادر اور محمد دیدی صاحب کی
محبت میں دن بدن ترقی ہوئی۔ یہانتک کہ محمد دیدی اُنکو ساتھ لیے
بغیر دوسرے شہروں کی سیر کو نہ جاتا۔

محمد دیدی اکثر وقت سیر و سیاحت میں گزارتا وہ ۱۸۹۶ء میں کلکتے وغیرہ
کی سیر کیلیے گیا اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مسیح موعود کے دعوے کی وجہ سے دنیا کے
سمندر میں تلاطم عظیم پیدا ہو چکا تھا۔ مخالفت کی خطرناک لہریں اٹھ
رہی تھیں اور ہزاروں انسان اسمیں بہتے چلے جا رہے تھے دسمبر ۱۸۹۶ء
میں وہ معرکہ عظیم جو جلسہ اعظم کے نام سے پکارا جاتا ہے خدا کے برگزیدہ
نبی کے ہاتھ پر فتح ہو چکا تھا۔ اور حضرت مسیح موعود کا وہ عظیم الشان لیکچر

۴ اسلامی اصول کی فلاسفی چھپکر اکناف عالم میں شائع ہو رہا تھا۔ اسوقت محمد دیدی کلکتے میں تھے اور چاہتے تھے کہ اپنے صادق عبدالقادر کے لیے کوئی تحفہ خریدیں۔ خدا کی بابرکت دربار یک مصلحتوں نے محمد دیدی کے ہاتھ میں اس مصلح عظیم کا لیکچر اسلامی اصول کی فلاسفی پہنچائی۔ اور اسے یہ تحفہ اسقدر پسند آیا کہ اس نے اسکو عبدالقادر کے لیے خرید لیا۔ یہ تھا بیج احمدیت جو خریدا گیا۔ (باقی پھر)

مولانا عظیم اللہ صاحب کے حالات

نوشتہ جناب مولوی مہر محمد خاں صاحب شہاب احمدی

مولانا مولوی عظیم اللہ صاحب ساکن نابھہ جنکے انتقال کی خبر الحکم قادیان ۱۴ر نومبر ۱۹۱۶ء کے پرچہ میں شائع ہو چکی ہے اصل میں چاندپور ضلع بجنور کے باشندے اور قوم کے راجپوت تھے۔ آپکے والد کا نام احمد خاں تھا - جب آپ کی عمر ۱۴ یا پندرہ سال کی ہوئی تو آپ کے دل میں علوم دین کی تحصیل کا شوق پیدا ہوا - گرد و پیش اس قسم کے سامان نہ تھے - جو اس شوق کو پورا ہونے دیتے - معلوم ہوتا ہے کہ مرحوم کے والد بھی علوم کے چنداں قدردان نہ تھے کہ ان کو تعلیم میں مشغول رہنے دیتے - اور اس قسم کے انتظام کرتے کہ آپ تعلیم حاصل کر سکیں - ان موانعات نے آپکو ترک وطن پر مجبور کیا - قرآن کریم کے پڑھنے اور علم حقہ دینیہ سے بہرہ ور ہونے کے لیے پانزدہ سالگی عمر میں یہ نوجوان اپنے اعزا و اقارب سے منہ موڑ کر گھر سے نکل کھڑا ہوا - جب گھر چھوڑا تو پاس زادراہ نہ تھا - کہ جو اس غربت میں کام آتا - ہاں ایک چیز تھی - وہ عزم راسخ - اور طبع سلیم اور ذوق طلب علم دین -

گھر چھوڑا تو کہیں پاس ہی ڈیرے نہیں ڈالدیئے بلکہ چلتے گئے جہانتک پاؤں میں طاقت رفتار تھی -

بچپن میں کبھی سن پایا تھا کہ دلّی ایسا مقام ہے جہاں دینی علوم کی نہریں بہتی ہیں آپنے وہیں کا رخ کیا اور آخر دلّی میں پہنچ گئے کچھ عرصہ وہاں کا آب و دانہ کھایا اور کسی قدر اکتساب علم بھی کیا - پھر اس قسم کے واقعات پیش آئے کہ دلّی چھوڑ - پنجاب کا رخ کیا -

ایک زمانہ میں لدھیانہ بھی دین کی تعلیم کیلیے کسی قدر شہرت رکھتا تھا وہاں پہنچے - اور کچھ عرصہ وہاں رہ کر اور اپنے تعلیمی مشاغل کو جاری رکھا مگر دل کے جوش اور طبیعت کی امنگیں اشارہ کر رہی تھیں کہ تجھے یہیں نہیں پڑے رہنا چاہیئے - تیرے لیے اور مقامات بھی ہیں جہاں سے علوم کا استفاضہ تیری قسمت میں ہے۔ یہ آوارہ وطن نوخیز نوجوان لدھیانہ کو بھی پیچھے چھوڑ چلا - اور ملتان کا رخ کیا - اور ایک عرصہ تک ملتان کی گرمیوں کا مزہ چکھا - اور وہاں کی خاک چھانی - مگر طبیعت ایک جگہ نچلا نہ بیٹھنے دیتی تھی زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ ملتان سے بھی رخت سفر باندھا - اور پنجاب کے دیگر مقامات کی سیر کے لیے ملتان کے گرد و غبار سے دامن جھاڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے - ملتان چھوڑنے کے بعد ایک مدت تک اٹک میں پڑھتے رہے - یہاں سے بھی کچھ مدت کے بعد دل برداشتہ ہو کر جہلم میں آن ڈیرا جمایا اور حضرت مولانا مولوی محمد برہان الدین صاحب کے برادر اکبر کے حلقہ تلامذہ میں بیٹھ گئے - حضرت مولانا برہان الدین اور آپ ہم سبق تھے مولانا برہان الدین کے برادر اکبر ایک فاضل اجل اور عالم باعمل بزرگ تھے - یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر مراجعت فرمائی کی - وطن کی خاک کو یہ شرف حاصل نہ تھا کہ اس متقی اور عاشق قرآن انسان کو اپنی وسعت میں جگہ دیتی - اسلیے مولانا نے وطن کے خیال کو دل سے نکال ڈالا -

میں احباب کی خدمت میں گزارش کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ تمام سفر جو تحصیل علم کے لیے آپنے کیا وہ سواری پر نہ تھا بلکہ ان تمام مسافت ہائے بعیدہ کی سیر اور یہ تمام بادیہ پیمائی پیدل تھی - مرحوم کا اخیر تک شیوہ رہا ہے کہ شاذ مواقع کے سوا کبھی سواری پر سفر نہ کرتے تھے - ہمیشہ قرآن بغل میں اور ایک آدھ کپڑا کندھے پر ڈال کر چل کھڑے ہوتے اور منزل پر پہنچ جاتے تھے -

جب تحصیل علم ختم ہوئی اور نابھہ کو اپنا وطن بنایا تو اسوقت آپ کی عمر ۲۵ برس سے زیادہ اور تیس برس سے کم تھی - جب آپکی عمر تیس برس کی ہو گئی تو نابھے کی بیوہ سے آپ کی شادی کی تجویز ٹھہری - وہ بیوہ اپنی بہن کے پاس جیند میں تھی - مولانا وہاں گئے - اور نکاح ہو گیا - اس بیوہ کے دو بچے

پہلے خاوند سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی موجود تھے۔

مولانا شادی کر کے جب نابھے میں واپس آئے، تو آپ کے پاس صرف ۸ کے پیسے تھے حیران تھے۔ کہ اتنا کنبہ ساتھ ہو گیا کیا کروں۔ ہر طرف تنگ دوگی۔ کہ کہیں محنت مزدوری ملے تو کروں اور کنبہ کا پیٹ پالوں۔ مگر یہاں سے یہی جواب ملا کہ آپ کے لائق کام نہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مولانا کوئی مخنی اور کمزور آدمی تھے۔ نہیں بلکہ آپ بڑے تنومند بڑے مضبوط اور طاقتور اور دیوپیکر انسان تھے پس آپکو کام نہ ملنے کا باعث آپکی جسمانی کمزوری نہیں۔ آپکے علم اور دینداری کا چرچا تھا۔ جب نابھے میں آپکو کوئی کام نہ ملا تو آپ مالیرکوٹلہ میں گئے اور حضرت مرزا جمیل بیگ صاحب سے[۱] جو ان دنوں ریاست مالیرکوٹلہ کے توپخانہ کے اعلیٰ افسر تھے ملے۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ مولوی صاحب آپکو فی الحال خچر باتری میں ملازمت مل سکتی ہے۔ مگر تنخواہ دو مہینہ کے بعد ملے گی۔ مولانا نے کہا کہ میرے گھر میں تو خرچ کی آج ضرورت ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ تنخواہ دو ماہ کے بعد ملیگی۔ وہاں سے بھی واپس نابھے چلے آئے۔ کسی نہ کسی طرح گھر کا خرچ چلایا۔ مگر چونکہ آپنے بڑے کنبہ کا پیٹ پالنا تھا۔ اور پاس کوئی مال و متاع اور دوسرا ذریعہ آمدنی کا نہ تھا۔ اسلیئے آپ نے گوٹہ بننا سیکھا۔ آپ خود اور آپ کی بیوی اور ربیبہ لڑکی تینوں گوٹہ بنتے جس سے گزارہ کے مطابق آمدنی ہوتی۔

مولوی بشیر احمد آپ کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں کہ ان دنوں میں آپ کا قاعدہ تھا کہ جنگل میں چلے جاتے اور ایندھن اپنے لیے اتنی مقدار میں لاتے کہ ایک ہفتہ تک ایندھن کی ضرورت نہ پڑتی۔ دو ایک دفعہ اسی حالت میں آپ کو ہز ہائینس مہاراجہ ہیرا سنگھ صاحب والیئے نابھہ نے دیکھا ایک دفعہ پوچھا کہ "یہ کون شخص ہے"۔ بتلانے والوں نے عرض کیا۔ کہ "حضور یہ ایک بہت بڑا عالم ہے جو اپنے سارے کام آپ کرتا۔ اور کسی امیر کے دروازے پر نہیں جاتا"۔ مہاراجہ صاحب نے فرمایا کہ "اگر یہ مولوی صاحب ہمارے پاس آئیں تو ہم انہیں کچھ دینگے"۔

یہ بات مولانا کو بتائی گئی کہ مہاراجہ صاحب یہ فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا "مجھے اسلیئے وہاں جانیکی ضرورت نہیں"۔ کچھ عرصہ بعد آپ کے ربیب (وہ لڑکا جو آپ کی بیوی کے پہلے خاوند سے تھا) کو کسی محنت مزدوری کی ضرورت پڑی آپ اسے مہاراجہ صاحب کے پاس لیگئے۔ مگر مہاراجہ صاحب اسوقت تشریف نہ رکھتے تھے کسی اہلکار سے کہا۔ اسنے مہاراجہ صاحب سے عرض کیا۔ مہاراجہ صاحب نے آپکے اس لڑکے کو طلب کیا اور فرمایا کہ "تمہارا باپ تو اتنا بڑا عالم اور تم جاہل یہ کیا بات ہے"۔ اسنے عرض کیا۔ "مہاراج میرے والد مجھے پڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر علم کی طرف میری طبیعت مائل نہیں ہوئی۔ میری یہ بدشوقی دیکھکر انھوں نے کہدیا ہے کہ جس کام میں تمہارا دل لگے وہی کرو۔ میں معماروں کا کام سیکھنا چاہتا ہوں"۔

چنانچہ مہاراجہ صاحب کے ایماء سے اسے سرکاری کام کرنے والے معماروں کے سپرد کیا گیا۔ اور چند روپیہ وظیفہ ملنے لگا۔ کچھ مدت میں وہ اچھا کام کا ماہر معمار ہو گیا۔ اب سرکار میں ملازم ہے۔

آپ کو حضرت کے دعوے کے متعلق جلد ہی علم ہو گیا تھا۔ جسے آپنے فوراً قبول کر لیا تھا۔ لیکن بیعت اسوقت نہیں کی جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ قادیان میں جا کر حضرت اقدس کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ مگر زادراہ پاس نہ تھا اسلیئے اسی کشمکش میں کئی سال گذر گئے۔ اتفاق سے ایکدفعہ مالیرکوٹلہ سے حضرت مولانا نورالدین (اعظم خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ) کا جانا نابھہ میں ہوا۔ وہاں پر مولانا آپ سے ڈاکٹر فیض محمد خاں صاحب کے مکان پر ملے حضرت نورالدین اعظم

---

[۱] حضرت مرزا جمیل بیگ صاحب ایک نہایت باخدا اور دیندار اور متقی اور پرہیزگار انسان تھے۔ آپکی دینداری اور خداترسی کے قصے اب تک مالیرکوٹلہ کے لوگوں کی زبان پر جاری ہیں۔ جب حضرت اقدس کا شہرہ بلند ہوا تو قادیان بھی آئے تھے۔ مگر بغیر بیعت کئے ہی مالیرکوٹلہ کو چلے گئے تھے۔ تاہم حضور کے دعوے کے مصدق تھے۔ ارادہ رکھتے تھے کہ قادیان میں حاضر ہو کر حضرت اقدس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ مگر قضا نے مہلت نہ دی۔ اور آپ وفات پاگئے۔ مگر آپ کے احمدی ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ آپنے اپنے ملنے والوں کو احمدیت کی تعلیم دی۔ آپکی لڑکیاں۔ آپ کے چھوٹے صاحبزادے مرزا عبداللہ بیگ صاحب اور آپ کے تمام پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں احمدی ہیں۔ — ۱۲ منہ

✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤ ✤

نے ارشاد فرمایا کہ "مولانا قادیان چلیئے" انھوں نے کہا "میرے پاؤں رکاب ہوں۔ بعض رکاوٹیں ہیں جب خدا کوسے تو فوراً وہاں پہنچوں گا"۔ چونکہ مولانا کے دل میں سچی تڑپ تھی۔ خدا نے سامان بھی کر دیئے۔ ایک دن بعزم قادیان گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ مگر اپنے ارادے کی کسی کو خبر نہ دی۔ مولوی بشیر احمد صاحب آپ کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں کہ "جب آپ شام تک گھر واپس نہ آئے تو ہمیں بہت پریشانی ہوئی۔ ہم تانگہ میں ادھر ادھر دوڑنے لگے کہیں آپکا پتہ نہ چلا۔ ایک مدت کے بعد قادیان سے خط گیا کہ میں قادیان میں ہوں"۔ ڈھائی تین مہینہ تک قادیان میں رہنے کے بعد آپ نابھے کو واپس ہوئے۔ ان دنوں پہلی پلیگ زور سے پھوٹ پڑی تھی۔ اور تمام راستے بند ہو گئے تھے۔ کوئی ادھر ادھر آجا نہیں سکتا تھا تو آپ نے حضرت نور الدین اعظم سے عرض کیا کہ حضور مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام سے گھر جانے کی اجازت دلوادیں۔ کیونکہ گھر پر بال بچے اکیلے ہیں اور طاعون پھیل گئی ہے اور راستے بند ہوئے جاتے ہیں"۔ آپنے فرمایا کہ "خدا تعالیٰ کے بندوں کو کوئی نہیں روک سکتا"۔ پھر آپ ٹھہرے رہے اور کچھ عرصہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے اجازت لیکر روانہ ہوئے۔ جب آپ لدھیانہ میں پہنچے تو ڈاکٹر جو مسافروں کا معائنہ کرتا تھا۔ بعد معائنہ آپکو جانے دیا۔ اور قاضی خواجہ علی صاحب کے ہاں ٹھہرے۔ دو ایک روز کے بعد ایک دفعہ رات کو وہاں سے چلے تو سپاہیوں نے آپکو پکڑ لیا۔ مولانا نے بہت یقین دلایا کہ میں ایک مسافر ہوں۔ مگر انھیں باور ہی نہ آئے۔ آخر تلاشی وغیرہ لیکر انھیں چھوڑنا پڑا۔

آپ قادیان کے واقعات میں یہ بات بیان فرمایا کرتے تھے۔ جو مجھے بھی بتائی۔ اور احباب نابہ بھی اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ جب آپ کو کچھ دن قادیان رہتے ہوئے ہو گئے اور حضرت اقدس سے کوئی گفتگو نہ ہوئی تو آپ بہت مضطرب ہوئے اور خدا کے حضور دعائیں کرنے لگے۔ خدایا میں ایک بے نوا ہوں۔ تیرے مسیح کے دروازے پر آیا ہوں وہ مجھ سے کیوں بات نہیں کرتا۔ مولانا نے یہ بات اکثر بیان کی جب مجھے دعا کرتے کئی دن ہو گئے تو حسب معمول باہر دستر خوان بچھا ہوا تھا۔ میں بھی ایک گوشہ میں بیٹھا تھا کہ حضرت اقدس اپنی جگہ سے اٹھے اور میرے پاس آکر میرے منہ میں اپنے ہاتھ سے نوالہ ڈالا۔ آپکا بیان ہے کہ حضرت مسیح موعود نے تین دفعہ رویا میں مجھے ارشاد فرمایا کہ "مولانا نور الدین سے بخاری پڑھو"۔ آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح اول نے کپورتھلے درس قرآن کے لیے بھیجا آپ وہاں ایک عرصہ تک رہے اور قرآن کریم پڑھایا۔ قادیان میں آتے تو مہینوں رہتے اور مہمان خانہ میں درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھتے۔ اس کام کے لیے آپکو حضرت خلیفہ اول اور ثانی کا ایما بھی تھا۔ چنانچہ مرض الموت میں جب شفا خانہ نور میں زیر علاج تھے۔ کہنے لگے کہ "مجھے مہمان خانہ میں پہنچا دو مجھے تو حضرت خلیفہ صاحب کا حکم ہے کہ قرآن پڑھاؤں۔ یہاں میں بیکار پڑا نہیں رہ سکتا"۔ آپ نماز میں سورۃ فاتحہ کثرت سے پڑھتے۔ ایک ایک رکعت میں بیسیوں دفعہ پڑھ جاتے۔ نماز میں تہجد ادا کرتے تھے قرآن کریم کی آیت آیت پر رویا کرتے تھے۔ نہایت وجد سے پڑھتے۔ دعائیں کثرت سے کرتے۔ رات کو بہت کم سوتے تلاوت قرآن قیام صلوٰۃ میں شب گزار دیتے۔

آپ تمام علوم مروجہ سے بہرہ تام رکھتے تھے۔ حدیث۔ تفسیر منطق۔ فلسفہ۔ طب غرض تمام علوم میں منتہی تھے

اکثر پیدل سفر کرتے بہت ہی ادنیٰ حالت میں رہتے۔ لباس نہایت پھٹا اور پرانا ہوتا تھا۔ مگر باتوں میں راجپوتی شان قائم ہوتی تھی۔ آپ کا قد لمبا۔ جسم دوہرا۔ اعضا نہایت مضبوط رنگت سیاہ فام۔ ہونٹ بہت موٹے۔ اور آواز گونج پیدا کرنے والی ٹلی کی مانند تھی۔ چونکہ دانت منہ میں اب کوئی نہیں رہا تھا۔ اسلیئے بعض الفاظ کا صحیح تلفظ نہیں ادا کر سکتے تھے۔ زبان اردو تھی۔ احباب نابہ آپ کی بہت عزت و تکریم کرتے۔ آپ وہاں کے امام تھے۔ اور کہہ سکتے ہیں کہ وہاں کی ساری جماعت آپ کے ذریعہ ہی قائم ہوئی ہے۔

آپ کی صلبی اولاد صرف مولوی بشیر احمد صاحب ہیں۔